مستقبل کی جستجو

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مستقبل کی جستجو

مسلمان حال میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن اس کی پوری زندگی مستقبل کے لیے بسر ہوتی ہے۔ آج وہ، جو کچھ بھی کرتا ہے، اس لیے کرتا ہے کہ کل کی تعمیر ہو سکے۔ کل اسے وہ حاصل ہو سکے، جو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور کل وہ وہاں پہنچ سکے جہاں پہنچنا اس کی منزل ہے۔ یہ بات اتنی صاف اور واضح ہے کہ مسلمان کے لیے نہ اس کو بھولنا ممکن ہے اور نہ سمجھنا۔ اس لیے کہ مسلمان کی نگاہ، تو اس مستقبل کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی ہے، جو زندگی کے افق کے اس پار کہیں دور، اس کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہے۔ ایمان اور اسلام کی زندگی کے پہلے ہی قدم سے اس کا مقصود وہ مستقبل ہوتا ہے، جو موت کے بعد نمودار ہونے والا ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنا ہر عمل وہ اس بات کو سامنے رکھ کر کرے کہ کل اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ بالکل اس کسان کی طرح، جس کا مقصود نہ کھیت ہوتا ہے نہ بیج، نہ ہل ہوتا ہے نہ کھاد، اور نہ پانی، بلکہ وہ دانہ ہوتا ہے، جو وہ فصل سے حاصل کرتا ہے۔ اس لیے مسلمان کے عمل کا حاصل تو وہ دانہ ہے، جو وہ آخرت میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان، جو کام بھی کرتا ہے، وہ اسی لیے کرتا ہے کہ زندگی کے افق کے اس پار، جو دنیا موجود ہے، اگرچہ اس کو اس نے دیکھا بھی نہیں ہے، لیکن اس پر وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ نمودار ہونے والی ہے۔ وہ اپنے ہر عمل کے بارے میں یہ دیکھے کہ، جو کچھ وہ کر رہا ہے، کل اس کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ (الحشر:۱۸-۵۹)

''اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے؟''

آج اس کا مقصود نہیں ہے۔ آج وہ، جو کچھ کر لے یا، جو کچھ جمع کر لے، یہ اس کے پیش نظر منزل کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ آج وہ کل کے لیے جمع کر لے، آج وہ، جو کچھ کرے اس کے نتائج کل برآمد ہوں، یہ اس کی پوری زندگی کا محور ہے اور اس کی پوری زندگی اسی پر قائم اور اسی سے وابستہ ہے۔ دین کا پورا زور، اسی بات پر ہے کہ کل کو سامنے رکھو، کل کے لیے کام کرو، کل کے لیے کوشش کرو اور آج، جو کچھ بھی کرو اس کا نتیجہ کل جنت کی صورت میں تمھارے سامنے آنا چاہیے۔

مسلمان کی تو زندگی کا لمحہ لمحہ مستقبل کی جستجو اور آرزو میں بسر ہوتا ہے۔ کسی لمحے بھی اس کی نگاہ آج میں الجھ کر نہیں رہ سکتی۔ یہ بات اس کے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اپنی کوششوں، سعی اور جدوجہد کو، اپنے اعمال اور جستجو کو، آج تک محدود کر دے۔ جس طرح یہ بات زندگی کے اس دور کے متعلق صحیح ہے کہ، جو دور موت کے افق کے اس پار آنے والا ہے، اسی طرح یہ بات زندگی کے اس دور کے لیے بھی صحیح ہے، جو دور موت کے اوپر ختم ہونے والا ہے۔ آج بھی، جو کام ہونے چاہییں ان کے پیش نظر کل کی بہتری اور کل کی فلاح ہونی چاہیے۔ اس دنیا کے اندر بھی اس منزل کی بازیابی، اس منزل کی جستجو، مسلمان کے پیش نظر ہونی چاہیے۔ اس دنیا کے اندر کوئی دوسرا شخص تو مستقبل کی فکر سے غافل ہو سکتا ہے، لیکن مسلمان کے ذہن، فکر، سوچ اور عمل میں اگر مستقبل سے غفلت آجائے، تو اس کے لیے مسلمان رہنا بھی مشکل ہے۔

تحریک کے لفظ پر اگر غور کیا جائے تو تحریک حرکت کی متقاضی ہے۔ حرکت کہیں لے کر جاتی ہے، کسی مقام پر کھڑا نہیں کرتی۔ حرکت کسی منزل پر پہنچاتی ہے، کسی جگہ پر جامد نہیں کرتی۔ اگر کوئی شخص یا کوئی تنظیم اپنے مقام پر جامد ہو جائے تو اپنے مقام پر تحریک کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ تحریک کے معنیٰ ہی حرکت کے ہیں۔ وہ چیز، جو مسلسل آگے بڑھ رہی ہو، اس کے سامنے کوئی راستا ہو اور وہ طے کرتی چلی جا رہی ہو اور اس کے سامنے کوئی منزل ہو، جس سے وہ قریب سے قریب تر ہوتی چلی جا رہی ہو۔ تحریک کے لفظ میں یہ چیز خود بہ خود پوشیدہ ہے۔ اس بات کو

ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ، جس طرح کوئی چھوٹی سی ندی اگر اپنے سفر کے آغاز میں اس بات کو بھول جائے کہ اس کا کام رواں دواں رہنا ہے، اس کا کام بہنا ہے اور اپنے آپ کو آگے ہی آگے بڑھاتے رہنا ہے، تو یا وہ کہیں جاکر ٹھیر کر تالاب بن جائے گی، یا کسی بڑی ندی کے اندر اپنے آپ کو جذب کر دے گی، یا کہیں خاک اور ریت میں جذب ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی۔ جو ندی بھی جامد ہوگی، اس کا انجام اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو دریا بہتا رہے گا اور اپنے حجم کو بڑھاتا رہے گا، وہ ہر قسم کے پانی کو اپنے اندر سمو لے گا۔ اگر آسمان سے پانی گرے گا، تو وہ بھی اس کے دامن میں آجائے گا۔ زمین کے چشمے ابلیں گے تو ان کو بھی وہ اپنے اندر سمیٹ لے گا۔ اگر دائیں بائیں سے دریا آئیں گے تو اس کے اندر جذب ہو جائیں گے۔ صاف پانی آئے گا تو اس کے اندر جگہ پائے گا اور گدلا پانی آئے گا تو اس کو بھی وہ اپنے اندر سمو لے گا، لیکن اپنے سفر کو جاری رکھے گا، آگے بڑھتا جائے گا اور وہی دریا متحرک ہوگا۔ جو تحریک اس دریا کے مشابہ ہوگی، وہی تحریک اپنے آپ کو تحریک کہلانے کی مستحق ہوگی۔

اسی طرح، جو بیج زمین کے اندر بویا جاتا ہے، اگر وہ بیج بھی محض بیج رہنے پر قانع ہو جائے، تو اس کی کونپل نہیں پھوٹے گی، اس کا تنا نہیں بنے گا، اس کی شاخیں نہیں نکلیں گی اور پھل پھول اور پتے نمودار نہیں ہوں گے۔ درخت کا، تو کام ہی یہ ہے کہ مسلسل نشو و نما، ترقی، نمو اور وسعت پزیری کی طرف اپنی نگاہیں مرکوز رکھے۔

پانی کا ایک قطرہ، جو پہاڑی سے لڑھک کر آتا ہے، اس کے سامنے سمندر مستقبل کی صورت میں موجود ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ مسلسل اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے۔ ایک بیج، جو زمین میں جاکر مٹی تلے دب جاتا ہے، اسی مٹی کو پھاڑ کر باہر نکلتا ہے۔ وہ ننھا منا بیج، جس کے اندر کوئی طاقت اور قوت نہیں ہوتی، صرف ایک جستجو کا جذبہ ہوتا ہے، مستقبل کی تمنا ہوتی ہے، کچھ کر جانے اور بن جانے کی آرزو ہوتی ہے۔ وہ منوں مٹی کے اندر سے بھی، زمین کو پھاڑ کر باہر نکلتا ہے، ننھی منی کونپل کو باہر نکالتا ہے اور بالآخر ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اس کی شاخیں بھی ہوتی ہیں اور پتے بھی، پھول بھی ہوتے ہیں اور پھل بھی، جس سے انسانیت فائدہ اٹھاتی

ہے، جس کے سائے تلے قافلے آتے اور ٹھیرتے ہیں اور سکون واطمینان حاصل کرتے ہیں۔

مستقبل کی جستجو، جو فطرت نے ہر اس چیز کے سینے کے اندر رکھ دی ہے، جو دنیا کے اندر کچھ بننا چاہتی ہے، دنیا کے اندر کہیں پہنچنا چاہتی ہے، جو دنیا کے اندر کچھ کر دکھانا چاہتی ہے، جس کے سامنے کوئی منزل ہوتی ہے، وہی دراصل اس کی زندگی کی ضامن بھی ہے۔ جب مستقبل نگاہوں سے محو ہو جائے اور آدمی حال کے اندر کھو کر رہ جائے، جہاں نگاہ دنیا کے اندر اٹک کر رہ جائے وہاں آخرت کی منزل بھی کھوٹی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب فرد، یا تحریکیں، حال پر قناعت کر لیں، تو ان کا مستقبل بھی تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

خدشے اور اندیشے

مستقبل کی راہ اور جستجو میں سب سے پہلے خوف و خطر اور خدشوں کا سامنا ہوتا ہے۔ پانی کا ننھا منا قطرہ بھی یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اکیلا بادلوں سے برسا تو دھرتی کے اندر گم ہو جاؤں گا۔ بہتر یہ ہے کہ بادل کے اندر ہی بسیرا کیے رکھوں اور آگے نہ بڑھوں۔ بیج اگر یہ سوچنا شروع کر دے کہ میں ننھا منا بیج ہوں، اگر میں نے مٹی سے سر باہر نکالا تو کیڑے مجھے کھا جائیں گے، کہیں پالا مار جائے گا، کہیں کوئی اور آفت آ جائے گی اور میں شاید ٹھٹھر کے رہ جاؤں۔ لہٰذا سب سے زیادہ امن اور سکون کی زندگی تو یہی ہے کہ قطرہ بادلوں کے اندر محفوظ رہے، ہواؤں کے دوش پر اڑتا رہے اور اپنی جگہ پر خوش رہے۔ اسی طرح بیج کے لیے بھی شاید سب سے زیادہ پر سکون زندگی یہی ہے کہ وہ زمین تلے دفن رہے، باہر آنے کی نہ سوچے، اس لیے کہ خطرات بھی ہیں اور بہت ساری چیزیں پیش آ سکتی ہیں، جن سے نپٹنا اس کے لیے مشکل ہو سکتا ہے۔ اگر بیج یہ سوچ لے تو درخت نہیں بن سکتا اور اگر قطرہ یہ سوچ لے تو برس کر دریا اور سمندر میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔

خطرات کے درمیان سے گزر کر ہی مستقبل کی تعمیر ہوتی ہے۔ جو خطرہ مول لینے کو تیار نہ ہو، اس کے لیے قدرت نے کوئی نفع نہیں لکھا ہے۔ جہاں Risk نہ ہو وہاں کچھ Gain نہیں ہے۔ انگریزی کا مشہور مقولہ ہے: No risk no gain۔ جو رسک لینے کو تیار ہوتا ہے، اسی کی قسمت میں رزق ہوتا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ مالا مال کرتا ہے اور جو اپنے گھر بیٹھا رہے، اس کے حصے میں کچھ نہیں آتا۔

جستجو اور قناعت کا فتنہ

مستقبل کی جستجو کی راہ میں دوسرا بڑا فتنہ قناعت کا ہے۔ جب کوئی فرد اس بات پر قانع ہوجائے کہ، جو کچھ میں ہوں بس وہی ہوں اور ایسا ہی رہوں تو بڑا غنیمت ہے، وہ مستقبل میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر کوئی تنظیم اور تحریک بھی اس پر قانع ہوجائے کہ آج کا کام آج کرلیا بس یہی کافی ہے، تو ایسی تنظیم مستقبل کا کوئی میدان نہیں مار سکتی۔

قناعت دنیا کے معاملات میں بہت ضروری ہے۔ قناعت نہ ہو تو آدمی دنیا کے اندر ہی پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اپنے آج پر ہی ساری توجہ اور محنت صرف کرتا رہتا ہے۔ لیکن جس کی نگاہ بلند ہو، جس کے سامنے دور دراز کی منزلیں ہوں، وہ اس بات پر قانع نہیں ہوسکتا کہ آج کا کام کرلیا، بس یہ کافی ہے۔ یا رپورٹ پیش کردی اور اپنے مقام پر مطمئن ہوگیا کہ، جو کام ہونا تھا وہ ہوگیا۔ روز کا کام روز کرنے کے مرض کو انگریزی میں روٹینائی زیشن (Routineization) کہا جاتا ہے۔ روٹین کا کام، ایک روٹین یا معمول بن جاتا ہے۔ اس روٹین کے اندر آدمی بھی بندھ جاتا ہے اور جماعتیں بھی۔ وہ اس روٹین کو اپنے لیے کافی خیال کرتے ہیں اور اس کے اوپر چل کر اپنی منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ، جو کچھ ہے اس سے بہتر ہوسکتا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے آگے ہونا چاہیے۔ جہاں پہنچ چکے ہیں، اس سے مزید آگے بڑھنا چاہیے۔ خوب سے خوب تر اور بلند سے بلند تر کی تلاش ہی مستقبل کو تعمیر کرتی ہے۔ مگر جہاں یہ مرض پیدا ہوجائے کہ چلتے کام چلتے رہیں، جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہوتا رہے، اسی کو بیان کرتے رہیں، اسی کو منصوبوں میں درج کرتے رہیں اور اسی پر قانع رہیں، تو پھر وہ تحریکیں تالاب کی طرح محصور ہوکر رہ جاتی ہیں، پھر وہ دریا کی طرح اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں، جو ہر تنظیم اور ہر فرد کو تربیت کے لیے سامنے رکھنا لازمی اور ناگزیر ہے۔ اقبالؒ نے اس بات کی طرف کچھ یوں توجہ دلائی ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو را در دلِ خود زندہ دار
تانگردد مشتِ خاک تو مزار

زندگی جستجو کے اندر پوشیدہ ہے اس کی اصل آرزو کے اندر پوشیدہ ہے، اپنے دل کے اندر آرزو پیدا کر، تاکہ تیری قبر محض مشتِ خاک نہ ہو۔ آرزو یہ نہیں ہوتی کہ بس آج کا کام آج ہو جائے، آرزو توکل کے لیے ہوتی ہے۔ آرزو تو اس کا نام ہے کہ آج یہ مکان ہے توکل اس سے اچھا مکان ہو، بچے پڑھ لکھ جائیں تو بڑھاپے کا سہارا ہوں۔ آرزو اس بات کی ہوتی ہے کہ آگے سے آگے بڑھ کر بڑے بڑے معرکے سر کیے جائیں۔ اسی لیے اقبال نے توجہ دلائی کہ اپنے دل کے اندر کل کچھ بن جانے کی اس آرزو کو زندہ رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مٹھی بھر خاک، جس سے تمھارا جسم بنا ہے یہ تمھارا مزار بن کر رہ جائے۔ اس لیے کہ اگر جسم آرزو سے خالی اور جستجو سے عاری ہو جائے، تو پھر یہ مٹھی بھر خاک، جس سے ہمارے جسم بنے ہیں، ان کی حیثیت چلتے پھرتے مزاروں کی ہو جائے گی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

خطرات کا سامنا کیے بغیر، امن وسکون اور موجودہ حالت پر قناعت، یہ تو قبر کے مردوں کی زندگی ہے۔ زندہ لوگ مسلسل جستجو کرتے ہیں، اپنی منزل کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں، ہمیشہ اپنے آپ کو پیچھے پاتے ہیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر مستقبل کی اہمیت، اس کے لیے آرزو اور جستجو موجود نہ ہو، تو پھر نہ اپنی تربیت کا کام ہو سکتا ہے اور نہ تحریکیں اور تنظیمیں ہی آگے بڑھ کر اپنے اہداف کو حاصل کر سکتی ہیں۔ اگر مستقبل کا یہ مقام واضح ہو اور جستجو اور آرزو کی زندگی ہو اور خوف وخطر، جو کہ آدمی کو مفلوج کر دیتے ہیں اور قناعت، جو آدمی کو جامد کر دیتی ہے اور روز کے کام روز نپٹانے کی عادت، اور کل کی فکر اور کل کی سوچ میں نہ پڑنے کی کیفیت، جو آدمی کے سارے عمل کو بے کار کر دیتی ہے، ان سے اگر بچنا ہو تو کچھ چیزیں اپنی تربیت کے لیے بھی اور کسی بھی تحریک اور تنظیم کے لیے ناگزیر اور ضروری ہیں۔

اصل چیز آرزو ہے اور آرزو کو دوسرے لفظوں میں ادا کرنا چاہیں، تو اس کا نام ہدف ہے۔ اگر ایک فرد کے سامنے ہدف واضح ہو کہ مجھے کیا بننا ہے اور کیا حاصل کرنا ہے، اسی طرح اگر تنظیم کے سامنے ہدف واضح ہو کہ اسے کہاں پہنچنا ہے اور کیا حاصل کرنا ہے، اور اسی کی جستجو کے اندر وہ فرد اور تحریک سرگرداں اور پریشان ہو، تو وہ دنیا کے اندر بہت بڑے کام کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر نگاہوں میں وہ منزل ہی نہ ہو جہاں پہنچنا ہے، اور آدمی یہ بھی نہ جانتا ہو کہ میرا آج، کل سے کس پہلو سے بہتر اور آیندہ ہفتہ میرے اس ہفتے سے کس طرح بہتر ہو، اور آیندہ سال، میں اس سال سے زیادہ بہتر انسان کس طرح بنوں گا، اگر اس ہدف سے ذہن بھی خالی ہوں اور نگاہیں بھی، اس پر جمی ہوئی نہ ہوں تو اپنی تربیت بھی امرِ محال ہے، اور تنظیموں اور تحریکوں کے لیے کہیں پہنچنا بھی۔

یہ حادثات افراد کو بھی پیش آتے ہیں اور تنظیموں کو بھی کہ زبان پر ایک ہدف ہوتا ہے اور عمل کسی دوسرے ہدف کے لیے ہوتا ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ یہ بننا چاہتا ہوں لیکن وہ بننے کے لیے انگلی بھی نہیں ہلاتا اور قلم بھی نہیں اٹھاتا، اور تنظیمیں کہتی ہیں کہ ہمیں ان منازل تک پہنچنا ہے اور یہ معرکہ سر کرنا ہے لیکن ان منازل تک پہنچنے کے لیے اور ان معرکوں کو سر کرنے کے لیے ان کے عمل سے کوئی شہادت نہیں ملتی۔ ہمارا رخ بھی اور ہدف بھی اپنی منزل کی طرف ہونا چاہیے، جو کچھ پیش رفت ہو، اسی جانب ہو۔

کھڑا رہنے سے بہتر ہے کہ انسان الٹی طرف چلنا شروع کر دے۔ ایک ہی چکر کے گرد گھومتے رہنا اور روز ایک ہی طرح کے کام کرتے رہنا، انھی کاموں کے اندر مہینے اور سال گزار دینا، اس سے تو آدمی کہیں بھی نہیں پہنچتا۔ آدمی تب کہیں پہنچتا ہے، جب وہ اپنی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق آگے بڑھے، اپنے ہدف کا رخ کر کے اس طرف کچھ سرکے، کچھ کھسکے، چلے، بھاگے اور دوڑے۔

اگر کسی موٹر گاڑی کا انجن چل رہا ہو، گاڑی کے اندر ڈرائیور بیٹھا ہو، مسافر بھی بیٹھے ہوں، پٹرول بھی اندر جا رہا ہو، ایکسیلٹر پر پاؤں بھی ہو، انجن کی آواز تیز سے تیز آ رہی ہو، لیکن

گاڑی اپنے مقام سے نہ سرکے اور مسافر اور ڈرائیور اس غلط فہمی میں ہوں کہ ہم اپنا سفر طے کر رہے ہیں، تو ان سے زیادہ بھولا اور خود فریبی میں مبتلا کوئی نہیں ہوسکتا۔ گاڑی چلنے کی یہ ساری علامتیں موجود ہیں، پٹرول خرچ ہو رہا ہے، مسافر بیٹھے ہوئے ہیں، ڈرائیور گاڑی کو چلا رہا ہے، انجن کی آواز دل کو مطمئن کر رہی ہے کہ انجن چل رہا ہے، لیکن اگر گاڑی اپنی منزل کی طرف آگے نہ بڑھے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کام نہیں ہو رہا، جو گاڑی بنانے کے پیش نظر تھا۔

کسی بھی فرد کے لیے دو ہی ہدف ہو سکتے ہیں۔ ایک ہدف اللہ اور اس کی جنت کا حصول ہے، اور دوسرا اپنی تربیت کا حصول۔ جو بھی کوششیں ہوں، خواہ وہ فرائض کی ادائی، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے فرائض ہوں، یا زندگی کے وسیع فرائض ہوں، یا خاندان اور محلے میں، اپنے فرائض کی انجام دہی ہو، ان سب کے اندر ایک ہی ہدف اور ایک ہی منزل مسلمان کے پیش نظر ہوسکتی ہے اور وہ ہے اپنے رب کی رضا اور اس کی جنت کی طلب۔ اسی کی طرف رخ ہو، اسی کی طرف بھاگ دوڑ ہو، نگاہیں اگر جمی ہوں تو اسی پر جمی ہوں، دل اگر اٹکا ہوا ہو، تو اسی کے ساتھ اٹکا ہوا ہو اور اگر قدم آگے بڑھیں تو اسی کی طرف آگے بڑھیں۔

اس بات کی دعوت قرآن کے اندر بہ کثرت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ ط (الذاریات:۵۰)

"اللہ کی طرف بھاگو۔"

بھاگنے کے لفظ پر غور کیجیے اور بھاگتے ہوئے آدمی کا تصور کیجیے۔ تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیجیے اور یہ تصور کیجیے کہ کسی آدمی کو کہیں پہنچ کر کھمبے کو چھونا ہے، وہ اسی کے خیال میں محو ہوتا ہے، اسی کے نشے میں ڈوبا ہوتا ہے۔ اس کا ہر قدم اٹھتا ہے تو اس کھمبے کی طرف اٹھتا ہے۔ وہ نہ کچھ سوچتا ہے نہ ادھر ادھر دیکھتا ہے اور نہ اس کے قدم ہی ادھر ادھر جاتے ہیں۔ بلکہ وہ تو بگ ٹٹ اپنی منزل کی طرف بھاگتا چلا جاتا ہے۔ اگر دوسرے بھی ساتھ بھاگنے والے ہوں اور ان کے ساتھ مسابقت اور مقابلہ بھی ہو رہا ہو، تو وہ اور بھی تیز بھاگتا ہے، کہ دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔

قرآن مجید اس کی دعوت دیتا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ (الحدید:۲۱)

''دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔''

وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّۃٍ (آل عمران:۱۳۳)

''دوڑ کر چلو اس راہ پر، جو تمھارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے۔''

وہ تحریک اور فرد، جو اس منزل کو اپنے لیے طے کرلے تو اس کے سامنے دو ہی کام رہ جاتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو جانچے، تولے اور پرکھے کہ اس کے، جو لمحات گزر رہے ہیں یا، جو کام وہ کر رہا ہے، اس کا نتیجہ کل کیا نکلنے والا ہے۔ اللہ کی وہ رضا، جس کو اس نے اپنا مقصود قرار دیا ہے، جو اس کا ہدف ہے اور جس کی طرف وہ بھاگا چلا جارہا ہے، کیا واقعی صبح وشام اس کو اس کی فکر رہتی ہے؟ اور اگر کوئی آرزو اور تمنا دل کے اندر پیدا ہوتی ہے، تو ان کو پورا کرنے سے پہلے کیا وہ سوچتا ہے کہ اس کا حاصل کیا ہوگا؟ یا کیا یہ مجھے اس منزل تک پہنچا دے گی، جو میں نے اپنے لیے طے کی ہے؟

اس بات کو اگر وسیع تر تناظر میں دیکھیں تو دراصل پہلا کام اپنی تربیت ہے اور اپنی تربیت ہر آدمی کا اپنا کام ہے۔ ہم ہزار تربیت گاہیں منعقد کرلیں، ان میں شریک بھی ہوجائیں، ہزاروں کتابیں پڑھ لیں اور ہزاروں الفاظ تقریروں کی شکل میں ہمارے کانوں میں اترتے چلے جائیں، لیکن، جو کام ایک فرد کو کرنا ہے، اس کی جگہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ کوئی تقریر، کوئی کتاب اور کوئی تربیت گاہ، وہ کام نہیں کرے گی، جو آپ کے ذمے ہے۔ اگر آپ کو بھاگنا ہے اور اپنی منزل تک پہنچنا ہے، تو قدم آپ کو ہی اٹھانا پڑیں گے۔ دوسرے لوگ ہمت افزائی تو کرسکتے ہیں، راہ بتا سکتے ہیں کہ کس راہ پر جاؤ، تو منزل پر پہنچ جاؤ گے، لیکن وہ آپ کی راہ پر چل نہیں سکتے۔ اگر آپ محض چلنے کی آرزو کریں اور حسین الفاظ پڑھ اور سن کر اپنے آپ کو خوش کرتے رہیں، تو آپ منزل پر کبھی نہیں پہنچ سکتے۔

آپ دعا مانگتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نماز پڑھنے کی توفیق دے، لیکن یہ توفیق اس وقت تک نہ ملے گی، جب تک کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھ کر، وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے نہ ہو جائیں۔ آپ میں کوئی اخلاقی فضیلت اس وقت تک پیدا نہیں ہوگی، جب تک کہ آپ خود اسے پیدا نہیں کریں گے اور اس کے لیے کوشش نہیں کریں گے۔ اس کوشش میں کوئی آپ کا شریک نہیں۔ آپ اکیلے، یکّا اور تنہا ہیں۔ یہ آپ کا اپنا عزم، ارادہ اور کوشش ہے۔ اس میں کوئی آپ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ وہی بات ہے، جو شروع دن سے اللہ نے اپنے سارے صحائف میں بیان کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، جو تعلیمات ملیں، ان میں بھی یہ بات موجود تھی اور حضرت موسیٰؑ پر، جو صحیفہ اترا اس میں بھی یہ بات موجود تھی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط (فاطر:۱۸)

"کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO (النجم:۳۹)

"اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔"

جو لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تربیت گاہیں ہوں اور درس و تقریر سنیں، وہ سخت بھلاوے میں مبتلا اور غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس لیے کہ تربیت، تو اپنی تربیتِ خود کرنے سے ہوتی ہے۔ اپنی دکان پر خود بیٹھیں گے تو مال بکے گا۔ کوئی دکان دار ایسا نہیں ہے، جو گھر بیٹھ کر دعا کرے کہ اللہ میری دکان پر آج سودا بک رہا ہو، مجھے توفیق دے کہ میں اپنی دکان پر بہت سارا مال بیچ دوں، اور گھر بیٹھے بیٹھے اس کا مال بک رہا ہو۔ کوئی بھی انسان اس طرح کی بے وقوفی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والے اس حماقت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کریں گے، تو بھی درس و تقریر اور تربیت گاہوں میں شرکت سے ہماری تربیت ہو جائے گی۔ ہمیں اپنی تربیت خود کرنی ہوگی۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر ہم قدم آگے بڑھائیں گے، تو زمین اور آسمان کی ہر چیز ہماری نصرت کے لیے تیار کھڑی ہوگی۔

بادل، پرندے، ہوائیں اور زمین اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب مددگار ہوں گے۔

جو بھی شخص اپنی تربیت کے لیے ایک قدم آگے بڑھائے گا، اللہ تعالیٰ دو قدم اس کی طرف بڑھائے گا۔ وہ ایک بالشت جائے گا تو اللہ تعالیٰ دو بالشت اس کی طرف آئے گا۔ وہ ایک ہاتھ آگے بڑھے گا، تو اللہ تعالیٰ دو ہاتھ اس کی طرف آگے بڑھے گا۔ وہ چلتا ہوا جائے گا تو اللہ تعالیٰ دوڑتا ہوا اس کی طرف آئے گا۔ لیکن اگر وہ اسی مقام پر کھڑا رہے گا، تو اس کے حصے اور اس کے نصیب میں کچھ نہیں آئے گا۔ جو کچھ بھی ہے اسی کے حصے اور نصیب میں ہے، جو قدم آگے بڑھائے گا، جس کی نظر مستقبل پر ہوگی کہ مجھے وہاں پہنچنا ہے، یہ بننا ہے اور یہ ہدف حاصل کرنا ہے۔

دوسری بات یہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ کے ہاں عمل برائے عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ وہاں عمل برائے مستقبل کی قیمت ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، فہم قرآن اور شہادت کی کوئی قیمت نہیں، اگر وہ کل کے لیے نہیں ہیں۔ جو بھی عمل ہو وہ کل کے لیے ہونا چاہیے۔ انسان، جو بھی عمل کرے کل کی نیت سے اور کل کے اجر کی نیت سے کرے۔ اگر آج اس کے اندر شامل ہو گیا تو وہ عمل ضائع ہو گیا۔ شہید بھی خدا کے سامنے لایا جائے گا، عالم دین بھی لایا جائے گا، اللہ کی راہ میں ڈھیروں مال خرچ کرنے والا بھی لایا جائے گا، لیکن ان میں کسی کی نظر کل پر نہ تھی، محض آج پر تھی چناں چہ ان کو کوئی اجر نہ ملے گا۔ نہ شہادت کام آئے گی، نہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر ملے گا اور نہ فہم دین ہی باعث اجر ہوگا۔ لہٰذا عمل کے لیے آخرت ہی سامنے رہنا لازمی ہے۔

یہی معاملہ تحریکوں کا بھی ہے۔ جن اعمال میں کل ان کے پیش نظر نہ ہو، دنیا کا نقشہ، جو کل بنانا ہے، انسان کا، جو مستقبل کل ہم دیکھنا چاہتے ہیں، جب تک وہ سامنے نہ ہو، آج کا عمل خواہ کتنا ہی بہتر نظر آئے، کاغذات اور فائلوں کے ڈھیر ہوں، میٹنگیں ہو رہی ہوں، اگر ان اعمال سے کل قریب نہیں آ رہی تو ان اعمال کے اندر کوئی نفع اس دنیا کے اندر نہیں ہے۔ یہ بات جس طرح نیک اعمال اور حق کے لیے کی جانے والی جستجو کے لیے صحیح ہے، اسی طرح باطل کے لیے کیے جانے والے اعمال کے لیے بھی صحیح ہے۔

عمل برائے عمل کی مثال تو اسی گاڑی کی ہے، جو بہ ظاہر چل رہی ہے، انجن کی آواز

آ رہی ہے، سب کچھ ہو رہا ہے، لیکن گاڑی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ حرکت نہ کرے۔ اگر ڈرائیور کو یہی نہ معلوم ہو کہ ہمیں کس طرح آگے بڑھنا ہے تو گاڑی کیسے آگے بڑھے گی۔ جب وہ گاڑی کو آگے بڑھائے گا تو منزل خود بہ خود قریب ہو جائے گی۔ اگر گاڑی کو آگے بڑھا دیا جائے تو بعض دفعہ منزل خود بہ خود دوڑتی ہوئی قریب ہو جاتی ہے۔ لیکن گاڑی بڑھانا ان کا کام ہے۔ اس کے لیے تنظیموں اور تحریکوں کے لیے یہ سوچنا ضروری ہے کہ آج ہم جن مشاغل اور مساعی میں اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، کل اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

اگر اتنی بات بھی افراد کے سامنے آ جائے کہ، جو کام بھی کرنا ہے کل کے لیے کرنا ہے، آخرت کے لیے کرنا ہے، اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہے، اور اتنی بات بھی اگر تنظیموں کے سامنے آ جائے کہ یہ، جو ہم کر رہے ہیں کیوں کر رہے ہیں اور کل اس سے کیا فائدہ ہوگا تو صحیح معنوں میں مستقبل کی جستجو ہو سکتی ہے۔

آج، جو کام ہم نے اپنے اوپر عائد کیے ہیں، ان میں سے کوئی کام ہم پر شریعت نے فرض نہیں کیا۔ ہم لٹریچر چھاپ رہے ہیں، اشاعتی ادارے کھولے بیٹھے ہیں، ہم اجلاس کریں یا سرکلر جاری کریں، ان میں سے کوئی بھی لازم نہیں ہے۔ شریعت نے تو مقاصد کو لازم قرار دیا ہے۔ اگر یہ کام مطلوبہ مقاصد، اہداف اور منزل مقصود کی طرف لے جا رہے ہیں تو بڑے مبارک کام ہیں، اور اگر یہ اس طرف نہیں لے جا رہے ہیں، تو ان کاموں کا کوئی نفع نہیں ہے۔ صرف ان کا اجر ہمارے اعمال نامے کے اندر لکھا جائے گا، لیکن دنیا کے اندر منزل ہمارے قریب نہیں آئے گی۔

اگر یہ دو باتیں بھی کوئی آدمی گرہ میں باندھ لے، تو فرد کی تربیت اس سے مکمل ہو جاتی ہے، اور جماعتوں کے لیے راستے بھی اسی سے کھل سکتے ہیں کہ، جو بھی کام کیا جائے اس سے ایک ہی مقصود ہو اور وہ ہو زندگی کے اس پار اور افق کے اس پار اللہ نے اپنی رضا، جنت کی شکل میں تیار کر رکھی ہے ان کے لیے ہو۔ جو افراد آج کے لیے نہیں، بلکہ کل کے لیے کام کرتے ہیں اور جو جماعتیں بھی اپنے اعمال کا جائزہ لیتی رہتی ہیں اور خود احتسابی کرتی رہتی ہیں کہ، جو کام وہ ہم کر رہے ہیں اس سے منزل کہاں تک قریب آ رہی ہے؟ یا ہم نے، جو وقت آج لگایا ہے اس سے کل کے

لیے کیا حاصل ہوگا؟ کسان کی طرح سوچنا چاہیے کہ، جو بیج کھیت میں ڈالا گیا ہے، اس سے کیا فصل ہمارے حصے میں آنے والی ہے۔ اس تاجر کی طرح سوچیں کہ آج دوکان کھول کر بیٹھا ہوں، یہ کتنا نفع دے گی، کتنے گاہک آئے اور کتنا نفع ہوا۔ جو کسان اور تاجر اس طرح نہ سوچے گا، وہ کبھی بھی نفع میں نہیں رہے گا۔

دنیا میں اس کا راستہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ، جو تحریکیں اور تنظیمیں اللہ کے دین کے لیے قائم ہوئی ہوں، وہ اس بات کو سمجھ لیں کہ کل کا سارا نفع صرف دو چیزوں کے اندر پوشیدہ ہے۔ ایک دعوت میں، دوسرا جہاد میں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اگر بھیجا تو انھوں نے بے شمار کام کیے، راتوں کو کھڑے بھی رہے، اللہ کی بندگی بھی کی، اس کی آیات کی تلاوت بھی کی، لیکن اس نے ان کا نام تو رسول رکھا ہے اور رسول وہ ہوتا ہے، جو کسی کا پیغام کسی تک پہنچائے۔ اگر رسول ساری عبادات کے باوجود یہ کام نہ کرتے، تو ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام نہ ہوتا۔ اس لیے کہ رسالت کا فریضہ، تو ہے ہی پیغام پہنچانے اور دوسروں کو خدا کی بندگی کی طرف بلانے کا فریضہ:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۝ (الاحزاب: ۳۳-۴۵،۴۶)

”اے نبی ﷺ، ہم نے تمھیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔“

اللہ کے آگے کھڑے ہونے والے، اللہ کے آگے رونے والے، اور اچھے اخلاق والے لوگ ہمیشہ دنیا کے اندر موجود رہے ہیں۔ لیکن رسالت کا کام تو دعوت کا کام ہے اور اس راہ میں کوشش کرنا ہے۔ رسالت کا کام یہ ہے کہ اگر آج ایک آدمی واقف ہے، تو کل سو آدمی اس پیغام سے واقف ہونے چاہییں۔ لہٰذا یہ ڈیرے ڈیرے اور خیمے خیمے جا کر، وادی وادی گھوم کر اور گھر گھر دستک دے کر، اپنی بات پہنچانے کا کام ہے خواہ کوئی مانے، یا نہ مانے۔ جب آدمی اس سے غافل ہو کر اس میں مشغول ہو جائے کہ بات پہنچے، یا نہ پہنچے، لیکن منظر اور سماں یہ بندھا رہے،

کہ ہم مصروف ہیں، کام کر رہے ہیں، اجتماع کر رہے ہیں، رپورٹیں لکھ رہے ہیں۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اصل کام تو دعوت کا کام ہے۔

اس تربیت کے اندر اگر آدمی نے اپنی منزل، اللہ کی رضا کو قرار دے دیا تو اس کی تربیت کا کام تقریباً مکمل ہو گیا۔ جس آدمی نے اپنی نگاہیں، جنت پر مرکوز کر دیں، اس کی طلب کی، آرزو دل کے اندر پیدا ہو گئی، اس کی جستجو میں لگ گیا، اس کو کسی وعظ و تلقین، یا لمبی چوڑی کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا دل خود پکار اٹھے گا کہ کون سا کام ہے، جو اللہ کو پسند ہے اور کون سا کام ہے، جو اللہ کو ناپسند ہے۔ کسی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: نیکی اور بدی کیا ہے؟ فرمایا: اپنے دل سے فتویٰ پوچھو، جس بات سے دل میں کھٹک پیدا ہو، وہ برائی ہے اور جس بات سے دل کو اطمینان ہو وہ نیکی ہے۔ یہ اس دل کی بات ہے، جس دل کی نگاہیں رضائے الٰہی پر مرکوز ہوں، جو جنت کی جستجو میں سرگرداں ہو۔ وہ خوب جانتا ہے، آدمی کا دل پکار اٹھتا ہے، کہ یہ بات اگر منہ سے نکلی، یہ کام اگر کیا، یہ اللہ کو خوش کرنے والا ہے یا ناراض کرنے والا۔

اس میں سب سے بڑا دائرہ انسانوں کے ساتھ تعلقات کا ہے۔ انسان کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے: وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر:١٥) ایک کافر اور مشرک، جو نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے، وہ بھی اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، اس کے اندر بھی اس نے اپنی روح پھونکی ہے اور جو مومن دنیا کے اندر چلتا پھرتا ہے، اس کو بھی، اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اس کے اندر بھی اس نے اپنی روح پھونکی ہے۔ اس کی عزت، اس کا خون، اس کا مال، دوسرے انسانوں پر حرام کر دیا ہے۔ اتنی بزرگ و برتر شے، کسی کے لیے حلال نہیں ہے، الا یہ کہ اللہ کے حکم کے تحت یہ حلال ہو۔

اللہ نے یہی کہا ہے کہ انصاف کے اوپر قائم ہو جاؤ، ظلم سے کام نہ لو۔ انسان کا شرف، انسان کی کرامت، انسان کی عزت، انسان کا مقام اور انسان کے حقوق، اس دین کا خلاصہ ہیں۔ انھی کے اندر اللہ کی رضا پوشیدہ ہے۔

ایک حدیث میں بیان ہوتا ہے کہ آسمان پر چار انگل بھی زمین ایسی نہیں ہے کہ جہاں پر

کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کی حمد نہ کر رہا ہو، تسبیح نہ کر رہا ہو، تکبیر لا الٰہ الا اللّٰہ نہ کہہ رہا ہو، سجدہ نہ کر رہا ہو اور رکوع نہ کر رہا ہو۔ فرشتوں نے بھی یہی بات کہی تھی کہ اگر آپ کو حمد اور تسبیح مقصود ہے تو یہ کام ہم کر رہے ہیں۔ اللہ کو یہ کام مقصود نہیں تھا۔ اصل کام تو یہ تھا کہ اپنے ارادے اور اپنی کوشش سے اللہ کے بندوں کے ساتھ، عدل و انصاف کے اوپر قائم ہو جاؤ، نہ کہ مجبور ہو کر۔

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (الحدید:۲۵)

”تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔“

یہی ہدایت بار بار، اس امت کو بھی دی گئی ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (البقرہ:۲-۱۴۳)

”اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک ”امت وسط“ بنایا ہے، تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔“

گویا انصاف کی زد اپنی ذات پر پڑے یا اپنی قوم کے خلاف پڑے تب بھی انصاف پر قائم رہو۔ اپنے اقربا کے خلاف پڑے تب بھی انصاف پر قائم رہو، دشمن کے حق میں جائے تب بھی، انصاف پر قائم رہو۔ کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ اور کسی کا حق نہ مارو۔ اس لیے کہ اس کی کوئی تلافی نہیں ہے۔

تربیت کے اندر اگر ایک طرف اللہ کی رضا مقصود بن جائے اور دوسری طرف آدمی اپنے آپ کو ہر اس چیز سے پاک کر لے، جو اللہ کے بندوں کو ایذا پہنچانے والی ہو، تو سمجھیے کہ اس کی تربیت میں کوئی کمی نہیں رہ گئی۔ اس کو پھر کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دو باتیں اس کے دل کے اندر نقش ہو جائیں گی۔ مستقبل کی جستجو اگر اپنی تربیت کے دائرے میں کرنی ہے، تو اس کے لیے یہ بڑا آسان اور مختصر نسخہ ہے۔ اگر مستقبل کی جستجو جماعتوں کے دائرے میں کرنا ہے تو دریا کی طرح پھیلنے کی کوشش کریں۔ یہ نہ دیکھیں کہ، جو پانی آپ کے بہاؤ کے اندر شامل ہو رہا ہے

کیسا پانی ہے۔ ہر پانی اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ اسی طرح ہر انسان اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ کوئی آدمی ایک کام کرسکتا ہے تو کوئی دوسرا، کسی آدمی کے اندر ایک خرابی ہے، کسی کے اندر سو خرابیاں ہیں۔ اگر دریا کے اندر اتنی وسعت نہیں ہے اور دریا کو اپنے اوپر اتنا بھروسا نہیں ہے، اور دریا کے پانی کے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ گندے پانی کو لے کر اس کو صاف کردے تو وہ دریا ٹھٹھر کر رہ جائے گا۔ جس دریا کے اندر خود اعتمادی ہو، اپنے اوپر بھروسا ہو، اس کو اپنی صلاحیت پر یقین ہو کہ جو ہمارے ساتھ آئے گا اس سے متاثر نہ ہوگا بلکہ سدھر کر جائے گا۔ وہی دریا دنیا کے اندر وہ کام کرسکتا ہے، جو اللہ کے رسول اور انبیاء علیہم السلام نے کیا اور جو یہ کام نہیں کرسکتا، اس کے لیے دنیا کے اندر وہ مقام نہیں ہے، جو اللہ نے اپنے رسولوں اور اپنے انبیا کے لیے مخصوص کر رکھا ہے اور جس کا بیڑا اسلامی تنظیموں اور تحریکوں نے اٹھایا ہے۔

تربیت کا راستہ عمل کا راستہ ہے۔ میں بار بار اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ عمل اگر تھوڑا بھی ہو تو کافی ہے، بہ شرطے کہ اس پر باقاعدگی سے عمل ہو۔ جو کام آپ کرنے کا ارادہ کرلیں، وہ باقاعدہ کریں۔ اپنی اصلاح کا کام ہو، جماعت اور تنظیم کو آگے بڑھانے کا کام ہو، جو کام بھی ہو، اس میں باقاعدگی ہو اور مستقل مزاجی کے ساتھ ہو۔ انسان محنت سے بڑے بڑے میدان مار لیتا ہے۔ جو کام بڑے مشکل نظر آتے ہیں، وہ کام بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ اپنی تربیت ہو، یا اپنی اخلاقی برائیاں ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جڑ سے اکھاڑنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑی بڑی اخلاقی کمزوریوں پر آدمی قابو پاسکتا ہے۔ وہ نیکیاں جن پر چلنا مشکل نظر آتا ہے، وہ نیکیاں بھی آدمی حاصل کرسکتا ہے۔ صرف محنت اور آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

بچپن کی پڑھی ہوئی دو کہانیاں آپ کی نذر کرتا ہوں۔

بارش کا قطرہ بادلوں کے اندر موجود تھا۔ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ زمین پیاسی تھی، دھرتی پیاسی تھی، جانور پیاسے تھے، جب کہ دریا خشک تھے، کروڑوں قطرے فضا کے اندر تیر رہے تھے۔ ہر قطرہ یہ سوچتا تھا کہ میں اکیلا برس گیا تو کیا کروں گا۔ ایک قطرے کا کیا بھاؤ ہوگا۔ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ زمین کی طرف بڑھے اور اپنی ڈیوٹی سرانجام دے۔ ایک بہادر قطرہ آگے

بڑھا۔ اس نے کہا کہ میرا کام تو برسنا ہے اور مجھے اللہ نے اسی لیے پیدا کیا ہے اور وہ برس گیا۔ اس کے پیچھے پھر قطروں کی قطاریں بندھ گئیں اور ساری دھرتی سیراب ہوگئی۔ اگر آپ کو بارش برسنے کا تجربہ ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ پہلا قطرہ ہی پیشانی سے آکر گرتا ہے یا جسم پر پڑتا ہے اور اس کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہوجاتی ہے۔ یہ وہ قطرہ ہوتا ہے، جو جرأت کرتا ہے اور اپنے فرض کو انجام دیتا ہے۔

اسی طرح بچپن میں ایک دوسری کہانی پڑھی تھی۔

ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ کسی بزرگ نے کہا کہ گھر سے باہر نکلو اور جو پہلی چیز نظر آئے اس کو اٹھا کر منہ میں رکھ لو۔ گھر سے باہر نکلا تو دور ایک بڑا پہاڑ نظر آیا۔ وہ گھبرا گیا کہ اس پہاڑ کو کس طرح اٹھا کر منہ میں رکھوں؟ پھر بزرگ نمودار ہوئے کہ چلنا شروع کردو۔ جیسے جیسے وہ قریب ہوتا گیا تو وہ پہاڑ چھوٹا ہوتا چلا گیا اور جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ گڑ کی ایک ڈلی رکھی ہے۔ اس نے اس کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔

اصل چیز تو سعی اور کوشش ہے۔ اپنی تربیت کا معاملہ ہو، یا جماعتوں کے لیے منزلیں مارنے اور معرکے سر کرنے کا معاملہ، اصل چیز تو بہادری کے ساتھ آگے بڑھ کر اپنا فرض سرانجام دینا ہے اور اپنی منزل کی طرف آگے بڑھنا ہے۔ یہ چیز ہوجائے تو دعوت اور تربیت کے سارے مراحل آسان ہوجائیں۔

اپنی تربیت کے لیے اگر آپ دو چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ اپنائیں تو اس دنیا میں بھی مستقبل آپ کا ہے اور اس دنیا کے بعد کا مستقبل بھی کوئی آپ سے چھین نہیں سکتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، میں تمھارے درمیان دو مرشد چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ ان کا دامن پکڑ لو تو صحیح راستے پر پڑ جاؤ گے اور منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

ان میں سے ایک مرشد قرآن ہے اور ایک مرشد میں ہوں۔ جس نے ان دونوں کا دامن تھام لیا اس کو منزل مل گئی۔

موت کو یاد رکھیں اور اللہ پر ایمان ہو، اس کی تیاری ہو، وہی اصل مستقبل ہے اور قرآن مجید سے آدمی اپنے آپ کو باندھ لے، تو راستے کھلتے چلے جائیں گے۔ دنیا اور آخرت میں بھی کام یابی سے ہم کنار ہو گا۔

وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ (آل عمران: ۳-۱۳۹)

''تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''

اصل بات یہ ہے کہ آدمی مستقبل پر نگاہیں جما دے، مستقبل کے لیے جیے اور اس کی آرزو، دل کے اندر پالے۔ آج کی دنیا پر قناعت نہ کرے اور نہ آج کی کوششوں پر قناعت کرے۔ بلکہ کل کے بارے میں فکر کرے کہ کل ہم کتنا آگے بڑھ جائیں گے۔ خوب سے خوب تر، بلند سے بلند مستقبل کی تلاش...... یہی روش اس زندگی میں بھی آسانی پیدا کرے گی اور آخرت میں بھی۔